امیر خسرو ماہر موسیقی کی حیثیت سے

میں حضرت امیر خسرو کے سوانح حیات بیان نہیں کروں گا۔ کہ یہ آپ کو تذکروں اور کتب تاریخ میں بکثرت مل سکتے ہیں نہ میں اُن کی شاعری اور دیگر کمالات کے متعلق کچھ کہوں گا۔ کہ یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ میں فقط ان کو ایسی حیثیت سے پیش کرونگا جس کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی، بلکہ اُس کا ذکر ہمیشہ محض ضمنی طور سے کیا جاتا رہا یعنی " امیر خسرو ماہر موسیقی کی حیثیت سے "

شاعر کے مجموعۂ کلام سے آپ اُس کے بلند تخیل کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ مصور کے نقوش اُس کے کمال فن کا آئینہ ہیں سنگتراش اپنی روح کو پتھر کے اندر زندۂ جاوید بنا دیتا ہے۔ لیکن مغنی کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے، کہ اُس کے آثار باقیہ اُس کے کمال کے اظہار سے قاصر ہیں، کیا آج آپ اس دور کے کسی گوئیے کی زبان سے تان سین کے باندھے ہوئے میگھ راگ کو سُنکر اُس کی اصل صورت کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ جس کے متعلق (گو وہ مبالغہ ہی کیوں نہ ہو) کہا جاتا تھا کہ اس کے اثر سے کالی گھٹائیں اُمنڈ آیا کرتی تھیں اور مینہ برسنے لگتا تھا۔

ہندوستان کی خاک سے یوں تو بڑے بڑے ماہرین موسیقی پیدا ہوئے جنھوں نے ہندوستانی سنگیت میں عجب عجب جدت طرازیاں اور رنگ آمیزیاں کرکے اس فن کو اوج کمال پر پہونچا دیا۔ لیکن آج ہمارے پاس اُن کی سہانی یاد اور اُن کے کمالات کے لطائف کے سوا اور کیا ہے۔ البتہ امیر خسرو ایک ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کے کمال موسیقی کا کسی قدر اندازہ ہم اُن کی ایجادات سے کرسکتے ہیں۔

مسلمانوں سے پہلے ہند میں موسیقی کی کیا صورت تھی۔ مسلمانوں نے اس میں کیا کیا اضافے کئے اور قدیم ہندی، عربی و ایرانی موسیقی کے اختلاط سے ہندوستانی سنگیت کو کیا فایدہ پہونچا، اس کے بیان کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے لیکن اس سے بالکل قطع نظر بھی مناسب نہیں، چنانچہ میں یہاں مختصر طور پر اس کا ذکر ضروری خیال کرتا ہوں۔

ہندوؤں کی پرانی روایات کے مطابق ہندوستانی سنگیت کو برہما نے ایجاد اور مہادیو نے اس کی اشاعت کی اور پھر مختلف رشیوں نے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے اسے ترقی دی۔ بالخصوص نارد منی نے جو ہندو عقیدے کے مطابق سارے جہان کا سفر کرتے تھے، آسمان کے رہنے والوں کو یہ فن سکھایا اور پھر رفتہ رفتہ رنگ بدیا ساری دنیا میں پھیل گئی۔ دنیا والوں نے جوش عقیدت سے دیوتاؤں کے اس مقدس عطیہ کو انھیں کی ثنا خوانی کا ذریعہ بنایا اور یہ سلسلہ اَن گنت صدیوں تک جاری رہا۔

آخر مسلمان ہندوستان میں آئے۔ ان کے آنے سے اس فن کی ہیئت بدل گئی۔ اس میں تقدس کا رنگ اتر گیا، اس کے بجائے یہ کمال فن کے اظہار اور اس سے لطف اندوزی کا ذریعہ بن گیا۔ اور انسان اپنے دکھ درد، اپنی آرزوئیں، اپنے احساسات اور تمام وہ لطیف جذبات جنہیں وہ کھلم کھلا عام گفتگو میں بیان نہ کر سکتے تھے، راگ کے ذریعے سے ایک دوسرے پر ظاہر کرنے لگے، اور آج تک کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسوقت ہندوستان میں جو نظام موسیقی قائم ہے۔ وہ درحقیقت مسلمانوں ہی کا رائج کردہ ہے۔ رتناکر، سنگیت درپن اور سنگیت سار سے جو ہندوستانی موسیقی کی نہایت مستند پرانی کتابیں ہیں، اسے کوئی نسبت نہیں۔

مسلمانوں کی اس کارگزاری میں سب سے بڑا حصہ حضرت امیر خسرو کا ہے۔ جنھوں نے آج سے ساڑھے چھ سو برس قبل مسلمانوں میں سب سے پہلے ہندوستانی سنگیت کی طرف توجہ کی۔ اور اپنی حیرت انگیز قوت فکر سے کام لیکر عجمی موسیقی اور عجمی زبان کی آمیزش سے ایک نئی قسم کی موسیقی کی طرح ڈالی۔ اور اس میں ایسے ایسے گل بوٹے اور نقش و نگار بنائے کہ یہ فن جسے مذہبی تقدس کے غلبہ نے پھیکا کر دیا تھا، حد درجہ شیریں اور پرکیف بن گیا۔

حضرت امیر خسرو سے پہلے یہاں گانے کے جو طریقے مروج تھے ان میں سے اہم یہ تھے، کبت، من، چھند، دھرو دھوا ماٹھا۔ اور پربند یہ چیزیں سنسکرت اور پراکرت ملی جلی زبان میں گائی جاتی تھیں۔ ان میں عموماً دیوتاؤں کی ستائش ہوا کرتی تھی۔ حضرت امیر خسرو نے ان کے بجائے یہ نو قسم کے گانے کے طریقے ایجاد کئے۔ قول، قلبانہ۔ ترانہ۔ خیال۔ نقش۔ گل۔ بسیط۔ تلانہ اور سوہلہ۔ ترانہ ان الفاظ سے مرکب ہے "تانوم۔ نوم تا۔ تادیرے۔ دیرے نا درد۔" یہ الفاظ صرف ان آٹھ حروف سے مل کر بنتے ہیں۔ تے۔ دال۔ نون۔ الف۔ یے۔ میم۔ رے اور واؤ۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت امیر خسرو نے جو ترانے ایجاد کئے وہ سب بامعنی تھے۔ مثال کے طور پر ان کے ایک ترانہ کے بول یہ ہیں:۔

درا آ درآ در تنم درآ جان من درآ درآ

بتنگ آمدہ ام بند انتظار کشم   بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم

قلبانہ کی صورت یہ ہے کہ اس میں زبان عربی و ہندی دونوں شامل ہیں۔ اس کی استھائی عموماً تال سواری میں اور انترہ تتالہ میں گایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک قلبانہ کے بول سناتا ہوں

استھائی۔ لقد صدق قولہ آنا سنے۔ بھیجو درود و سلام

انترہ۔ امیر خسرو بل بل جاویں۔ حضرت نظام الدین کے دربار۔ گاویں قلبانہ

قول اس طرح ہے۔ کہ کچھ الفاظ عربی اور فارسی کے اور کچھ ترانے کے ملا دئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک قول کی استھائی سنئے:۔

حی یا درد تالالا لے حسن و نظام الدین اولیا۔ دیم دیم درد دو در تلے تان تلے تنا نانا نانا نانا۔ اس کا انترہ یہ:۔

فانما تولّوا فثمّ وجہ اللہ۔۔ دِرتُم دِرتُم توم تنانا نانا در در تلے تلے درا درا جانم۔ دیم دیم در در در در تلے تان تلے تنا نا نانا۔ اس کی استھائی اور انترے کی تالیں الگ الگ ہیں۔

نقش میں ایک رباعی ہوتی تھی، اور گُل میں فقط ایک شعر جو بجائے خود ایک سر تیز تر ہوتا تھا۔ ان دونوں میں تال نہیں بدلتی تھی۔ نبیط چھند کے بجائے شکالا۔ تلانہ ایک قسم کا ترانہ ہے۔ کہ اس میں ترانے کے نانا کے بجائے تام تلی اور تانا ہوتا ہے۔ الفاظ فارسی نظم و نثر سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ سویلا میں فقط شادی بیاہ کا ذکر ہوتا تھا بس۔

خیال میں عموماً عاشقانہ مضامین ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں عامیانہ رنگ، بالکل نہیں ہوتا۔ دلکش تانیں، تحریر اور زمزمہ وغیرہ خیال کی جان ہیں۔ جس سے یہ صد درجہ دل پذیر بن جاتا ہے۔ گانے کا یہ طریقہ جسے سلاطین شرقیہ کے آخری بادشاہ سلطان حسین شرقی جونپوری نے پندرھویں صدی عیسوی میں دوبارہ زندہ کیا اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے درباری گویئے نعمت علی خان سدا رنگ نے اوج کمال پر پہونچا دیا اس درجہ مقبول ہوا کہ آج خیال نے کلاسیکل میوزک کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

افسوس ہے کہ حضرت امیر خسرو کی ان ایجادات میں سے خیال اور ترانہ کے سوا باقی تمام چیزیں مٹ گئیں۔ اور خال خال اشخاص کے سوا کوئی ان کے نام تک سے واقف نہیں۔

امیر خسرو کی ان ایجادات کے متعلق ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے۔ جو مختلف کتب تاریخ اور تذکروں میں پایا جاتا ہے۔ اور جسے مولانا شبلی نعمانی نے بھی شعر العجم میں رقم فرمایا ہے وہ یہ کہ امیر خسرو کے زمانہ کا مشہور جگت استاد نایک گوپال تھا۔ اُسکے بارہ سو شاگرد تھے جو اس کے سنگھاسن کو کہاروں کی طرح کاندھے پر لے کر چلتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی نے اس کے کمال کا شہرہ سنا۔ تو دربار میں بلوایا۔ امیر خسرو نے عرض کی کہ میں تخت کے نیچے چھپ کر بیٹھتا ہوں۔ نایک گوپال سے گانے کی فرمایش کی جائے۔ نایک نے چھ مختلف جلسوں میں اپنا کمال دکھایا۔ ساتویں دفعہ امیر خسرو بھی اپنے شاگردوں کو لیکر دربار میں آئے، گوپال بھی ان کا شہرہ سن چکا تھا، ان سے گانے کی فرمایش کی۔ امیر نے کہا میں مغل ہوں، ہندوستانی گانا کچھ یونہی سا جانتا ہوں، پہلے آپ سنائیں تو میں بھی کچھ عرض کروں گا، گوپال نے گانا شروع کیا، امیر نے کہا یہ دُھن تو مدت ہوئی میں باندھ چکا ہوں۔ پھر خود اس کو ادا کیا۔ گوپال نے دوسری چیز شروع کی۔ امیر نے اس کو بھی ادا کر کے بتایا کہ مدتوں پہلے میں اس کو ادا کر چکا ہوں۔ غرض گوپال جو چیز شروع کرتا۔ امیر اپنی ایجاد بتاتے۔ بالآخر کہا۔ اب میں اپنی خاص ایجادات آپ کو سناتا ہوں۔ پھر جو گائے۔ تو نایک گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا کیونکہ قول، قلبانہ، خیال، ترانہ اُس کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔

حضرت امیر خسرو نے موسیقی میں نایک کا سب سے اونچا درجہ حاصل کیا۔ اُن کے بعد آج کہ ساڑھے چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا ہے، یہ خطاب پھر کسی کو نصیب نہ ہو سکا، آپ میں نایک کی ساری صفتیں بدرجہ اتم موجود تھیں یعنی آپ زمانہ ماضی و حال کی موسیقی کے عالم باعمل تھے، سنگیت کے واقف کار تھے اور راگوں کے بنانے کا قاعدہ جانتے تھے۔

آپ نہ صرف خود بہت اچھا گاتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ اُن کے ہاں شرفا اور نجبا کے جو لڑکے قرأت اور عربی کے درس کے لئے آتے تھے آپ علمی تعلیم کے علاوہ انھیں موسیقی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ اسی وقت سے قوالی کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اس کی بارہ چیبیں رائج ہوئیں۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ امیر خسرو نے قول۔ قلبانہ۔ نقش و گل۔ ترانہ۔ خیال۔ بسیط۔ تلانہ اور سوہلہ، گانے کے یہ نو طریقے اختراع کئے۔ علاوہ ازیں آپ نے عجمی مقاموں یعنی راگوں کی آمیزش سے بے شمار ہندی راگ بھی ایجاد کئے۔ اُن کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ لیکن میں بخوف اختصار صرف چند راگوں کا ذکر کرتا ہوں۔

ایمن۔ ہنڈول اور ایک فارسی مقام یعنی راگ نیریز سے مرکب ہے۔ یہ راگ ہندوستانی موسیقی کے نہایت اہم راگوں میں شمار ہوتا ہے اور حقیقتاً حد درجہ دلکش و مست کُن ہے۔

سازگری۔ پوربی۔ گورا۔ گن کلی اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے۔

مجیر۔ غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے۔

موافق۔ براری اور مالسری میں فارسی راگ کی آمیزش کی۔

عشاق۔ سارنگ و بسنت اور ایک فارسی مقام سے مرکب ہے۔

غنم۔ پوربی میں ذرا سا تغیر کر دیا ہے۔

زیلف۔ کھٹ راگ میں فارسی راگ شہناز کو ملایا ہے۔

غزال۔ پوربی۔ بھیاس۔ گورا اور گن کلی سے مرکب ہے۔

صنم۔ کلیان میں ایک فارسی راگ شامل کیا ہے۔

فرغانہ۔ یہ سولہ ہندی راگوں اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے۔

سرپردہ۔ گوڑ سارنگ اور بلاول میں فارسی مقام راست کی آمیزش کی ہے۔

باخرز۔ دیسکار میں ایک فارسی راگ ملا دیا ہے۔

فردوست۔ کانڑا۔ گوری۔ پوربی اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے۔

راگ درپن مصنفہ فقیر اللہ میں لکھا ہے کہ ان راگوں میں سازگری۔ باخرز۔ عشاق اور موافق میں موسیقی کا کمال دکھایا ہے۔ یہ راگ جن کا میں نے نام لیا ہے۔ حضرت امیر کی خاص ایجاد ہیں۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے بے شمار پرانے راگوں میں تغیر و تبدل کر کے ان کی نئی قسمیں بنائیں۔ مثلاً گونڈ ملار کے میل سے ایک خاص قسم کا کانڑا ایجاد کیا۔ جس کا نام باگیسری قوالی رکھا یہ حد درجہ دلکش اور شیریں ہے۔ دوسرا کانڑا شاہانہ، سارنگ کے میل سے جس میں مدھم زیادہ لگتی ہے۔ اور نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اور راگوں میں تھوڑا تھوڑا تصرف کر کے سوہنی قوالی۔ پوریا للت۔ رام کلی قوالی۔ نودی براری

ٹوڑی اساوری۔ پوربی۔ پردیپکی۔ بہار قوالی اور بسنت قوالی وغیرہ وغیرہ کئی جداگانہ قسمیں بنائیں۔

میں نے جتنے راگوں کے نام گنوائے ہیں ظاہر ہے کہ حضرت امیر خسرو نے ان کے کئی کئی گیت بھی لکھے ہوں گے اسی طرح قول۔ قلبانہ۔ خیال ترانہ وغیرہ جو نو گانے کے طریقے انھوں نے ایجاد کئے۔ ان کی بھی کئی کئی چیزیں باندھی ہوں گی۔ اس حساب سے کچھ نہیں تو ہزار بارہ سو گیت وغیرہ لکھے ہوں گے مگر افسوس ہے کہ ہندوستان میں لحن بندی یعنی نوٹیشن کا رواج نہ ہونے کے باعث یہ سارا ذخیرہ ضایع ہو گیا۔

حضرت امیر خسرو نے اور تال میں بھی بے حد مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ارکان و اوزان فارسی کے بموجب حسب ذیل سترہ تالیں مقرر کیں۔

اول پشتو ایک تال کی۔ دوم ذو بحر تین تال کی۔ سوم قوالی تین تال کی۔ چہارم اصول فاختہ تین تال کی۔ پنجم جبت تین تال کی۔ ششم زانہ تالہ تین تال کا۔ ہفتم سواری چار تال کی۔ ہشتم آڑا چوتالہ چار تال کا۔ نہم جھومرا تین تال کا۔ دہم جھپ تالہ تین تال کا۔ یازدہم خمسہ پانچ تال کی۔ دوازدہم فرودست پانچ تال کی۔ سیزدہم پہلوان چار تال کی۔ چہاردہم تید۔ پانزدہم داستان۔ شانزدہم پٹ تال۔ ہفتدہم چپک۔ ان میں سے سوائے دو چار کے باقی ساری کی ساری نہ صرف اب تک رائج ہیں بلکہ ہندوستانی لے کاری کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے تال پشتو خاص طور پر نقش و گل اور رباعی وغیرہ گانے کے لئے ایجاد کی اور داستان نقارہ بجانے کے لئے۔

حضرت امیر کی جدت پسند طبیعت نے ساز بھی اختراع کئے جو آج تک مقبول زمانہ ہیں ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر ستار ہے۔ اس ساز کی ایجاد ایسا کارنامہ ہے۔ کہ اگر امیر خسرو موسیقی میں اور کچھ نہ کرتے تو تنہا یہ ایجاد ان کے نام کو رہتی دنیا تک زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔ ستار کو ہر زمانے میں بے حد مقبولیت ہوئی۔ بہت سے نامی گرامی ستار بجانے والے ہر زمانے میں ہوئے۔ ستار خوش آوازی میں بین کا مقابلہ کرتا ہے اور پھر بین کی نسبت آسان بھی ہے۔ حضرت امیر نے اس کے بجانے کے کئی نئے قاعدے۔ الاپ، ٹھاہ، دون اور مضرابیں مقرر کیں۔ دوسرا ساز ڈھولک ہے۔ ڈھولک کو گو اعلیٰ پایہ کے گویوں میں مقبولیت نہ ہوئی۔ مگر عام لوگوں خصوصاً عورتوں میں ایسی مقبولیت ہوئی کہ ہندوستان میں آج تک بیاہ شادی کی رونق ڈھولک کے دم سے قایم ہے۔

امیر خسرو نہ صرف ہندی موسیقی کے عالم باعمل تھے۔ بلکہ وہ عجمی موسیقی کے بھی بہت بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے عجمی و ہندی موسیقی کے متعلق متعدد کتابیں بھی لکھیں لیکن افسوس ہے کہ یہ مفید ذخیرہ گیتوں کی طرح ناپید ہو چکا ہے۔

حضرت امیر خسرو شاعری میں زیادہ کمال رکھتے تھے یا موسیقی میں۔ میں کہوں گا چاہے اس سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو، کہ موسیقی میں ان کا پایہ شاعری کی نسبت کہیں بڑھا ہوا تھا۔ گو انھوں نے چار لاکھ سے اوپر اشعار کہے۔ ننانوے کتابیں لکھیں اور فارسی نظم میں جملہ اصناف سخن پر خامہ فرسائی کرکے اپنی ہمہ گیر طبیعت کا ایسا ثبوت دیا جس کی نظیر ان کے

پیش رو شاعروں میں نہیں ملتی۔ لیکن اس کے باوجود مثنوی میں ان کا پایہ فردوسی اور نظامی سے کم ہی رہتا ہے۔ غزل میں وہ حافظ و سعدی و نظیری کو نہیں پہونچ سکتے۔ اور قصیدے میں اگر وہ کمال اور ظہیر سے پیچھے نہیں تو آگے بھی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس وہ سنگیت میں ایسے جگت اُستاد تھے۔ کہ اس ساڑھے چھ سو برس کی طویل مدت میں اُن کا جواب پیدا نہیں ہوا۔ نایک گوپال جیسا اُستاد اُن کے کمال کا مداح ہوا اور بڑے بڑے گویے آج بھی ان کا نام سُن کر کان پکڑتے ہیں۔ بیسیوں نئے راگ ایجاد کئے۔ گانے کے نو مختلف طریقے نکالے۔ ستار ایجاد کیا جو سریلے پن میں بین کو شرماتا ہے۔ خیال اور ترانہ کو آج معیاری موسیقی کا درجہ حاصل ہے اور پشاور سے لیکر راس کماری تک انھیں کا سکہ چل رہا ہے۔ سترہ تالیں ایجاد کیں، جن میں سے سوائے دو چار کے باقی سب کی سب نہ صرف رائج ہیں۔ بلکہ ہندوستانی سنگیت میں سب سے زیادہ مستعمل ہیں۔

آخر میں میں حضرت امیر خسرو کا ایک قول نقل کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت امیر موسیقی کو کیا درجہ سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ "موسیقی علم سفینہ نہیں، علم سینہ ہے۔ اگر علم سفینہ ہوتا تو فارسی کی طرح اس کے بھی کئی دفتر تیار کر دیتا، حسرت یہ ہے کہ دل کی دل ہی میں رہی۔ سارا مدار حیات و ممات اسی علم پر ہے۔"

غلام عباس